© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

عجمی تصوّرات کا تیسرا دور

عبوری دور:

سرسید مرحوم کے بعد کچھ ایسے افراد بھی منظرِ عام پر آتے ہیں جنھوں نے مندرجہ بالا افکار و نظریات کی آبیاری کی۔ مولوی چراغ علی مکمل طور پر سرسید کے ہمنوا تھے۔ پھر کچھ حضرات ایسے بھی منظرِ عام پر آئے جن کے سامنے کوئی نیا نظریہ یا ذاتی فکر موجود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا سارا زور احادیث کو ظنی، ناقابلِ اعتماد اور ناقابلِ صحت قرار دینے پر صرف کر دیا۔ ان میں سے چند قابلِ ذکر ہستیوں کے نام یہ ہیں:

مولوی عبداللہ چکڑالوی، جو اہل قرآن کے امام سمجھے جاتے ہیں، مولوی حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ گوجرانوالہ، خدا بخش، خواجہ احمد دین امرتسری، سید عمر شاہ گجراتی اور سید رفیع الدین ملتانی وغیرہ۔ ان لوگوں نے احادیث کا کلیتہً انکار کر دیا اور "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر اس پر انحصار کیا لیکن اب مشکل یہ پیش آئی کہ قرآنِ کریم ارکانِ اسلام کی جزئیات تک بیان کرنے میں ساکت تھا۔ اب احادیث کے بجائے انہیں محض اپنے غور و فکر کا سہارا لینا پڑا۔ پھر ان میں سے بعض نے متواتر اعمال کا سہارا لیا۔ لیکن پھر بھی بات بنائے نہ بن سکی۔ آخر ان سب دوستوں میں شدید اختلافات رُونما ہوئے اور جوت و پیزار بھی ہوئی۔ نتیجۃً ان کے بھی کئی فرقے بن گئے جو صرف ایک نماز کے معاملہ میں ہی کئی طرح کے اختلافات رکھتے تھے اور وُہ اختلافات بھی اصولی قسم کے تھے مثلاً کچھ فرقے صرف دو نمازیں پڑھتے تھے۔ کچھ کہتے تھے کہ قرآن سے تین نمازوں کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا وُہ تین نمازیں پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ ہر رکعت میں دو سجدے کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایک ہی سجدہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ نماز میں یہ لوگ صرف قرآنی آیات ہی پڑھتے ہیں خواہ قیام یا رکوع، سجدہ ہو یا جلسہ۔ پھر کچھ ایسے ہیں جو سلام پھیرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ اتنے اختلافات تو صرف نماز میں ہوئے، باقی احکام میں جس قدر اختلافات ہو سکتے ہیں اُس کا آپ خود اندازہ فرما لیجئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر کچھ ایسے لوگ تھے جنھوں نے کسی خاص مقصد کے تحت احادیث کا انکار کیا یا اُن کی تاویلات پیش کی ہیں، ان میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے نام بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ یہ حضرات صرف ان احادیث سے انکار یا ان کی تاویلات کرتے ہیں جو ختمِ نبوت یا رفعِ عیسےٰ سے تعلق رکھتی ہیں، اس کے ساتھ ہی ساتھ ایسی قرآنی آیات کی تاویل بھی پیش کرتے ہیں۔

اسی دور میں علامہ عنایت اللہ مشرقی پیدا ہوئے۔ آپ بھی جدید تعلیم یافتہ اور مغربی تہذیب و علوم سے شدید متاثر ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی عسکری زندگی پر نمایاں طور پر زور دیا۔ انگریز قوم اور انگریزی تہذیب کی جو عزت آپ کے دل میں تھی۔ ان کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

"یہی انگریز تو وُہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرشتوں نے اپنے پروردگار سے جب وُہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ رکھتا تھا، یہ کہا تھا کہ: "کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بناتا ہے جو اس زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا، اور ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں" تو اللہ میاں نے ان انگریزوں کے آئندہ اعمال پر غور کرتے ہوئے فرشتوں کو جواب دیا تھا کہ "میں وُہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" پھر اللہ میاں نے ان انگریزوں کو بہت سی چیزوں کے نام اور بہت سی چیزوں کی حقیقتیں دکھا دیں اور پھر ان چیزوں کے استعمال پر قدرت دی اور اللہ کے فرشتے "سلام علیکم خوش رہو اس زمین پر اور اچھی زندگی بسر کرو تم[1]!" کہتے ہوئے ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم انگریزوں کو راحت و آرام دے۔ آباد رہو تم قیامت تک۔" (تذکرہ ص ۱۴ عربی ایڈیشن، مرتبہ علامہ عنایت اللہ مشرقی)

تہذیب مغرب سے ذہنی مرعوبیت کا اندازہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کی تصنیف "ایک اسلام" کے درج ذیل اقتباس سے بھی واضح ہوتا ہے۔ انگریز قوم کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں آپ کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے تمام انعامات سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

---

[1] یہ سورۂ زمر (۳۹/۷۳) کی ایک آیت کا ترجمہ ہے کہ جب قیامت کو لوگوں کا حساب کتاب ہو چکے گا تو متقین کو قافلہ کی صورت میں جنت کی طرف لے جایا جائیگا تو فرشتے ان سے کہیں گے کہ "تم پر سلامتی ہو اور تم خوش رہو۔ جنت کے دروازوں سے ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطنت اس کی، علم اس کا، فضائیں اس کی، ہوائیں اس کی، باغ اس کے، نہریں اس کی، دانش اس کی، حکمت اس کی اگر کل کو اللہ اُس کی آخرت بھی سنوار دے تو آپ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟" (ایک اسلام ص۴۶ مصنفہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

آپ نے چند در چند کتب لکھ کر یہ نظریہ پیش کیا کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کی وجہ محض احادیث کو قابلِ حجت سمجھنا ہے اور جب تک مسلمان اس ذخیرۂ احادیث کو سینے سے چمٹائے رکھے گا۔ اس کی اصلاح ناممکن ہے۔ تاہم بعد میں آپ نے اس نظریہ سے توبہ کر لی۔ اور "تاریخ حدیث" لکھ کر تلافیٔ مافات بھی کر دی اور سابقہ غلط نظریہ کا برملا الفاظ میں اعتراف بھی کیا۔

بیسویں صدی کا ایک ہندو مصنف پروفیسر تارا چند گاجرا۔ ایم۔ اے جب سوامی دیانند سرسوتی کے حالاتِ زندگی لکھنے بیٹھتا ہے تو سرسید احمد خاں سے لے کر اس دور کے دوسرے منکرینِ حدیث کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

"خود سرسید احمد خاں سوامی دیانند کے ست سنگت میں شریک رہتے۔ یہ سوامی جی کا اثر ہے کہ انہوں نے قرآن کے مطالب و معانی نئے ڈھنگ سے کیے ہیں۔ قادیانیوں نے آریہ تحریک سے برسرِ پیکار رہنے کا ایک وطیرہ بنا رکھا ہے۔ لیکن قرآن کی کایا انہوں نے بھی پلٹ کر رکھ دی ہے، اور اب تو یہ لوگ برسرِعام کہتے پھرتے ہیں کہ ابتداءً آدم ایک فرد نہیں تھا بلکہ انسانی مخلوق کافی پیدا ہو چکی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے پھرتے ہیں کہ محمد صاحب کے بعد بھی پیغمبر آ سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ انسان کے لیے دائمی بہشت اور دوزخ نہیں ہے۔ نیز اس دُنیا سے پہلے بھی کائنات کا مسئلہ ضرور جاری تھا۔ یہ بھی قادیانیوں کا اعتقاد ہے۔ چکڑالوی مسلمان تو اس سے بھی چار قدم آگے بڑھ چکے ہیں۔ جن کے یہاں عقیدۃً پانچ نہیں بلکہ دو نمازوں پر ایمان ہے۔ چکڑالوی مسلمانوں نے حدیثوں کو بالکل اسی انداز سے ٹھکرا دیا ہے۔ جیسا کہ سوامی جی نے پرانوں کو۔ چکڑالوی کتاب "ہفوات مسلمان" کے مصنف نے اپنی تصنیف میں ثابت کیا ہے کہ ہزارہا جھوٹی اور بے بنیاد احادیث ہمارے یہاں داخل ہو چکی ہیں۔ بلکہ مشہور منکرِ حدیث خدا بخش نے تو یہاں تک ثابت کر دیا ہے کہ قرآن صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد صاحب کی ایک ادھوری سوانح حیات ہے اور بس۔" (جگت گرو سوانح سوامی دیانند سرسوتی صہ ۲۳، ۲۴ - مرتبہ پروفیسر تاراچند گاجرا - ایم۔ اے)

اب تک ہم نے جن حضرات کا تذکرہ کیا ہے، سوائے اہل قرآن کے ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کے دل میں تھوڑی بہت حد تک حدیث کا احترام موجود تھا۔ بے شک وہ احادیثِ صحیحہ پر کھلے بندوں جرح و تنقید کر کے انہیں رد کر دیتے تھے۔ تاہم اس کا بہت سا حصہ مفید بھی سمجھتے تھے۔ بعد میں کچھ ایسے لوگ بھی آئے جنھوں نے حدیث کے بچے کھچے احترام کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے مولانا تمنا عمادی اور حافظ محمد اسلم جے راجپوری قابلِ ذکر ہیں اور جنھیں موجودہ ادارہ طلوعِ اسلام کے پیش رو کہا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کی نظروں میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں۔ بالفاظِ دیگر کوئی شخص بھی موجودہ مجموعہ احادیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی پسند اور مرضی پر منحصر ہے اور اگر رد کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں چنانچہ حافظ اسلم صاحب "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تفسیر لکھتے ہوئے احادیث پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں:

حافظ اسلم صاحب کا نظریۂ حدیث:

"اس تکمیل کے بعد اب دین میں کمی کیا رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے؟ اس لیے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین و ضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آں حضرت صلعم کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بلا شبہ قرآن کے احکام مثلاً نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ پر رسول اللہ نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آرہا ہے وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات کے اقسام میں داخل ہے اور اسی کے متعلق قرآن نے کہا ہے: "و لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"" (طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۵۵ء)

اس تبصرہ پر جناب غلام احمد پرویز صاحب فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ "تواتر بھی وہی تعین ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔"

© rasailojaraid.com

مرکزِ ملت کا تصور: احادیث سے بے نیاز ہو کر احکامِ قرآنی اور ان احکام کے جزئیات

© rasailojaraid.com

کی تعیین اس طبقہ کے لیے ایک۔ روگ بنا ہوا تھا جس نے اسے تشتت وانتشار اور ذہنی ژولیدگی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اہل قرآن کو اس خلفشار سے بچانے کے لیے حافظ محمد اسلم صاحب نے مرکزِ ملت کا تصور پیش کیا جس کا تفصیلی ذکر تو آئندہ چل کر آئے گا۔ سردست یہ سمجھ لیجیے کہ مرکزِ ملت (central Authority) ہے جو نمائندگانِ قوم پر مشتمل ہو اور اسے زمانہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام کی جزئیات کی تعیین کرنے کا حق حاصل ہو۔ مرکزِ ملت کے ایسے ہی فیصلوں کی اطاعت درحقیقت اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

علاوہ ازیں حافظ صاحب موصوف نے مندرجہ ذیل "کارہائے نمایاں" بھی سرانجام دیے:

۱۔ احادیث کو ظنی اور ناقابلِ سند قرار دینے سے متعلق بکھرے ہوئے تمام سابقہ ریکارڈ کو جمع کیا اور انہیں مدون کر کے پیش کیا۔

۲۔ بعض ایسے مسائل کا بھی انکار کیا جن کے اشارات قرآنِ کریم میں ملتے تھے مگر اُن کی وضاحت احادیث میں مذکور تھی اور وُہ متفقہ طور پر مسلمانوں میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ ان میں کچھ مسائل ایسے بھی تھے جن کی داغ بیل سرسید احمد خاں ڈال چکے تھے، مثلاً حج کے موقعہ پر کھانے پینے کی ضرورت سے زیادہ قربانی آپ کے خیال میں ایک لغو فعل تھا۔ سید صاحب تعددِ ازواج کے بھی قائل نہیں تھے، وُہ قرآنِ کریم میں کسی طرح کے نسخ کے بھی قائل نہ تھے، وُہ بینکوں کے سود اور تجارتی سُود کو جائز قرار دیتے تھے۔ (اس مسئلہ میں ادارہ طلوعِ اسلام سید صاحب سے اختلاف رکھتا ہے) نیز وُہ صحبت کے لیے کسی شرط کے بھی قائل نہ تھے۔ حافظ اسلم صاحب نے ان مسائل کو شرح و بسط سے پیش کیا اور کچھ مزید مسائل کا اضافہ بھی کیا مثلاً عذابِ قبر سے انکار اور اطاعتِ والدین کی نفی وغیرہ وغیرہ۔

تیسرے دور کا آغاز:

گو سرسید احمد خاں سے لے کر آج تک کی قرآنی فکر کی تحریک میں ایک تاریخی تسلسل موجود ہے۔ تاہم اس دور کا آغاز ہم قیامِ پاکستان سے کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دور میں چند نئے نظریات بھی فکرِ قرآنی میں شامل ہو گئے۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

قیامِ پاکستان کے بعد جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز ــــ جو حافظ اسلم صاحب موصوف کے فیض یافتہ ہیں ــــ نے اس "تحریکِ فکرِ قرآنی" کو مزید آگے بڑھایا۔ آپ کی زندگی کا بھی بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گزرا ہے۔ مغربی مفکرین کے افکار و نظریات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کے لیے بکثرت ان کے اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ ماہنامہ "طلوعِ اسلام" آپ کی فکرِ قرآنی کی تحریک کا ترجمان ہے جو قیام پاکستان کے بعد بالخصوص ایسی ہی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور ادارہ طلوعِ اسلام نے بہت سی تصانیف جن میں سے بیشتر کے مصنف پرویز صاحب خود ہی ہیں ——— پیش کر کے اپنے اس فکر کی وضاحت کی ہے۔

ادارۂ طلوعِ اسلام کے پیشرو:

ادارۂ طلوعِ اسلام کے پیشرو یا سلف صالحین میں سے اکثر کا ذکر اس سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز مدیر ادارہ مذکور ان حضرات کے افکار و نظریات سے، ماسوائے چند فروعی اختلافات کے، پوری طرح متفق ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کن الفاظ میں ان حضرات کو خراجِ عقیدت پیش فرما رہے ہیں۔

معتزلین:

"اگر مسلک اعتزال باقی رہتا تو یہ جمود و تعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آ رہا ہے، وجود میں نہ آتا، اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا۔"

(طلوعِ اسلام ۳۰ رجولائی ۱۹۵۵ء)

گویا مسلمانوں کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ انہوں نے مسلکِ اعتزال کو ترک کر دیا ہے۔

سرسید احمد خاں:

اور سرسید کے کارناموں سے ادارہ طلوعِ اسلام اتنا متاثر ہے کہ اس کی مدح و تحسین میں "پاکستان کے معمارِ اول" کے نام سے کتاب بھی شائع کی ہے۔ اسی کتاب کے مؤلف ص ۷۷ پر یوں رقمطراز ہیں:

"سرسید نے صدیوں کے جمود کی سلوں کو توڑا اور آنے والوں کے لیے فکر و تدبر کا راستہ صاف کیا۔ اس کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے بعد آنے والے قرآنی فکر میں کتنا ہی کیوں نہ آگے بڑھ جائیں۔ اس سابق اول کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"ہم سرسید کے اس احسانِ عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے انتہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریکیوں میں اس مبارک و مسعود کام کا آغاز کیا ہے۔ سر سید کی رُوح آج مفکرینِ اسلام کی تازہ بہ تازہ کاوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وجد و مسرت سے جھُوم جھُوم کر کہہ رہی ہے، دیدۂ آغازم، انجام نگر"۔ ..... "ہمارا دور سر سید کے دور سے علمی اور فکری لحاظ سے بہت آگے ہے اور اسی لیے جن مفکرین نے اس زمانے میں اپنے تدبر فی القرآن کے نتائج پیش کیے ہیں وہ سر سید کے فکری نتائج کے مقابلہ میں کہیں بلند اور محکم دکھائی دیتے ہیں لیکن اس سے سر سید کی فکری عظمت کم نہیں ہو پاتی، بہرحال سابق اول، اول ہی رہتا ہے"

(پاکستان کا معمارِ اول ص ۷۵، ۷۶)

علامہ مشرقی اور ادارہ طلوعِ اسلام:

"علامہ صاحب مرحوم و مغفور کی عالمی شہرت کا آغاز ایک ریاضی دان کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک عظیم فوجی تحریک کے بانی اور قائد کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے۔ یہ سب کچھ ان کی عظمت کی شہادت دے رہا ہے، لیکن "تذکرہ" کے مصنف کی حیثیت سے وہ جس اعزاز کے مستحق تھے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ عصرِ حاضرہ کے علوم کی روشنی میں قرآنی حقائق کو پیش کرنے کی یہ بڑی کامیاب کوشش تھی" (طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۶۳ء)

حافظ اسلم صاحب اور ادارہ طلوعِ اسلام:

"آج اسی سرزمین میں علامہ اسلم جے راجپوری مدظلہ العالی کی قرآنی فکر برگ و بار لا رہی ہے جنھوں نے اپنی عمرِ عزیز اسی جہاد کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں تا دیر سلامت رکھے تاکہ ہم ان کے تدبر فی القرآن کے نتائج سے مستفیض ہو سکیں۔ میرے کاشانۂ فکر میں سلیم! اگر کوئی چمکتی ہوئی کرن دکھائی دیتی ہے تو وہ انھیں کے جلائے ہوئے دیئوں کا فروغ ہے" (سلیم کے نام سترھواں خط ص ۳۶)

اور اب جب طلوعِ اسلام کا دور آیا تو زمانے کے تقاضے اور آگے بڑھ چکے تھے، تہذیبِ مغرب کی تقلید میں ہمارے ہاں بھی "مساواتِ مرد و زن" کے نعرے لگ رہے تھے حقوقِ نسواں کمیٹیاں مقرر ہو چکی تھیں، ان کے عالمی سال منائے جا رہے تھے۔ عورتیں ہر طرح کے سیاسی اور معاشی حقوق مانگ رہی تھیں اور وہ عائلی نظام میں کسی طرح بھی ثانوی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے رہنے کے لیے تیار نہ تھیں۔ تعدد ازواج کا مسئلہ پہلے ہی سرسید احمد خاں صاحب حل فرما چکے تھے[1]۔ پرویز صاحب نے اس نوعیت کے مسائل پر قلم اٹھایا اور اپنے قرآنی فکر کی رُو سے طاہرہ کے نام خطوط لکھ کر عائلی نظام میں مرد کے تفوق یا سربراہِ خانہ کی حقیقت کو حتی الامکان ختم کر دیا۔

ادھر روس میں اشتراکیت قائم ہوئے تیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ پاکستان میں اسلامی سوشلزم کے نعرے لگ رہے تھے اور بعض علماء اشتراکیت کے حق میں قرآن سے دلائل بھی پیش کر رہے تھے۔ آپ ذہنی طور پر اشتراکیت کے نظام کو پسند کرتے تھے۔ اس کے لیے بعض اشارات قرآن کریم میں مل جاتے ہیں مگر مشکل یہ تھی، یہ اشتراکی نظام سراسر لادینی بنیادوں پر استوار تھا۔ پھر اس نظام میں ایک کمزوری بھی پائی جاتی تھی۔ جو کسی وقت بھی اس نظام کو ناکام بنانے کا سبب بن سکتی تھی اور وہ کمزوری یہ تھی کہ آخر وہ کونسا جذبہ محرکہ ہو جس کی بنیاد پر عوام، کام تو خوب محنت سے کریں مگر معاوضہ اتنا ہی قبول کریں جس سے ان کی گزر بسر ہو سکتی ہو؟ اشتراکیت کے امام اس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھے۔

انہی حالات سے متاثر ہو کر آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"سو میں اس ضمن میں اتنا عرض کر دوں گا کہ زمانہ من حیث الکل آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ ہر دور میں نئے نئے تقاضے ابھر کر سامنے آتے ہیں جس دور میں جو تقاضا زیادہ نمایاں طور پر سامنے آتا ہے، اس دور کے انسان لامحالہ اس پر زیادہ غور و فکر کرتے ہیں۔ رزق نے سرپرل لی سیم کا تقاضا جس شدت سے ہمارے دور میں ابھر کر سامنے آیا ہے۔ گذشتہ تیرہ سو سال میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا اس لیے ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ہاں ہوتا کیا چلا آ رہا ہے؟ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس تقاضے کا حل قرآن کیا پیش کرتا ہے؟" (قرآنی نظام ربوبیت ص۴۲)

---

[1] سرسید ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کے جواز کے قائل نہیں، دلیل یہ دی ہے کہ قرآن نے اس کیلیے عدل کی شرط عائد کی ہے اور ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر تم چاہو بھی تو ان کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے لہذا قرآن ہی کی رُو سے ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح جائز نہیں اب سوال یہ ہے کہ اگر بات یہی تھی۔ سرسید سمجھے تو قرآن نے دو دو یا تین تین اور چار چار بیویوں کی اجازت دیکر کیا محض [illegible] فرمائی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسی قرآنی فکر کے نتیجہ میں آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل قرآنی نظام ربوبیت کی شکل میں پیش کیا جو اپنی ظاہری شکل و صورت میں اشتراکیت کا مکمل چربہ ہے جس میں انفرادی ملکیت کو کلیتًہ ختم کر دیا گیا ہے مگر اس کا بنیادی فلسفہ صرف خدا سے انکار اور لادینیت پر مبنی نہیں، بلکہ نظریۂ ارتقاء کے فلسفہ پر مبنی ہے جس کی رُو سے انسان کا محض معاشی مسئلہ ہی حل نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے جو آپ کے قرآنی فکر کی رُو سے انسان کا منتہائے مقصود یا مقصدِ حیات ہے۔

طلوعِ اسلام اور عجمی افکار:

گویا ادارہ طلوعِ اسلام نے سابقہ قرآنی فکر کو صرف آگے ہی نہیں بڑھایا، بلکہ اس فکر کے لیے مزید میدان بھی پیدا کیے ہیں جن کو مختصرًا درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ عقل کا تفوق اور برتری:

یہی چیز فکرِ قرآنی کی رُوحِ رواں ہے جو جہم و اعتزال سے لے کر آج تک اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے اور طلوعِ اسلام کی بیشتر کتابوں میں اس کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے، ہرچند یہ لوگ زبانی طور پر عقل کے مقابلہ میں وحی کی برتری کے قائل ہیں، لیکن عملاً جب یہ لوگ اپنے کسی مخصوص نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں تاویلات پیش کرتے ہیں تو اُن کے زبانی اقرار کی نفی از خود ثابت ہو جاتی ہے۔

۲۔ خدا کی ذات کے متعلق ان لوگوں کا تصور تجریدی ہی رہا ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب جنت و دوزخ کی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> "جس طرح مسلمانوں نے اللہ کو عرش پر بٹھا رکھا ہے اسی طرح انہوں نے جنت دوزخ کو بھی دُوسری دنیا کے ساتھ مختص کر رکھا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اسی دُنیا سے شروع ہو جاتے ہیں"
>
> (سلیم کے نام گیارہواں خط ص ۱۵۹)

خدا کے متعلق تجریدی تصوّر کی یہ جھلک آپ کی بہت سی تصنیفات میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

۳۔ مسئلہ تقدیر اور جزا و سزا کے متعلق بھی آپ کا نظریہ معتزلین سے بہت حد تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتا جلتا ہے۔ آپ نے کتاب التقدیر لکھ کر اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ:

"خدا نے کائنات کو پیدا کر کے ہر چیز کے پیمانے یا قوانین مقرر فرما دیے ہیں، اب وُہ خود بھی ان قوانین کا پابند بن گیا ہے، ہر عمل کا ایک لازمی نتیجہ ہے، جو ان قوانین کے تحت ظہور میں آتا ہے اور ان نتائج کو روکنا یا ختم کرنا اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے جہاں[1] انسان کو اپنے اعمال کا مختار کلی قرار دیا گیا ہے۔ وہاں خدا کی مغفرت اور انبیاء و صالحین کی شفاعت کا عقیدہ بھی باطل قرار پاتا ہے۔"

۴۔ معجزات کے انکار کے سلسلہ میں آپ سرسید کے ہمنوا ہیں اور کوئی بات خلافِ فطرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ سرسید گو زبانی طور پر معجزہ کے امکان کے قائل ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے قرآن میں مذکور تمام معجزات کی ایسی تاویل فرمائی ہے کہ ہر واقعہ کو مطابقِ فطرت بنا کے چھوڑا ہے۔ پرویز صاحب بھی دبی زبان میں عصائے کلیمی کے اعجاز کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ:

"وُہ دور ہی اعجوبہ پرستی کا تھا، نیز ذہن انسانی ابھی ناپختہ تھا، لہٰذا انہیں یہ معجزہ دیا گیا۔ حضورِ اکرمؐ کے دور میں انسانی عقل و فکر اپنی پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا آپ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ قرآنِ کریم سے حضور اکرمؐ کا کوئی حسی معجزہ[2] ثابت نہیں ہوتا۔" (معراج انسانیت ص ۲۰۳)

۵۔ نظریۂ ارتقاء کے مسئلہ میں آپ صرف سرسید کے ہمنوا ہی نہیں، بلکہ "ابلیس و آدم" نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو قرآن سے ثابت کیا ہے۔ ملائکہ، آدم، ابلیس وغیرہ سب باتوں میں آپ سرسید کی توجیہات کو تسلیم کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے انسان کے آئندہ ارتقاء کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ بحث آگے آئے گی۔

۶۔ آپ نے حافظ اسلم کے پیش کردہ تصور مرکزِ ملت کی بھی قرآن کریم سے توضیح و تصریح فرمائی ہے جس کی رُو سے آپ نے مرکزِ ملت کو اللہ اور رسول کے جملہ اختیاراتِ تشریع تفویض فرما دیے ہیں۔

۷۔ "طاہرہ کے نام خطوط" لکھ کر آپ نے عائلی نظام میں مرد کے تفوق کو یکسر ختم کر دیا ہے

---

[2] حالانکہ قرآن سے آپ کے کئی حسی معجزات ثابت ہیں جن کی تفصیل پہلے پیش کی جا چکی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ سب کچھ قرآن کریم سے ہی ثابت کیا گیا ہے۔

۸۔ آپ کی سب سے نمایاں کارکردگی یہ ہے کہ آپ نے انسان کے معاشی مسئلہ کا حل قرآنی نظامِ ربوبیت کی شکل میں قرآن ہی سے ثابت کر دکھایا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اتنے کثیر عجمی نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے قرآن کی کسقدر آیات کو تاویلات کی سان پر چڑھانا ضروری تھا اور ساتھ ہی متعلقہ احادیث سے انکار بھی، لہٰذا آپ نے ان دوگونہ پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے:

۱۔ تمام احادیث کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا، آپ صرف وہ احادیث قابلِ قبول سمجھتے ہیں "جو آپ کی قرآنی فکر" کے مطابق ہوں"

۲۔ قرآن کی تمام مروّجہ اصطلاحوں کو نئے معانی و مفاہیم کا جامہ پہنایا، مثلاً خدا، عبادت، اسلام، ملائکہ، صلوٰۃ، زکوٰۃ، قیامت، جنت، دوزخ، ایمان بالغیب وغیرہ کا مروّجہ مفہوم ہی یکسر بدل ڈالا گیا، پھر بھی بات نہ بنی تو کئی جلدوں میں لغات القرآن تصنیف کر ڈالی گئی اور دورِ جاہلیت سے عربی الفاظ کے ایسے معانی تلاش کیے گئے جو ان مخصوص نظریات کی تائید میں ممد ثابت ہو سکیں۔ اس بات کو ہم سردست صرف ایک مثال سے واضح کریں گے۔

صلوٰۃ یا نماز کا مروّجہ مفہوم یہ ہے کہ یہ اللہ کی عبادت ہے۔ اللہ نے تمام مسلمانوں پر پانچ وقت کی صلوٰۃ موقتہ فرض کی ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی رکن ہے، اس کے چھوڑنے والا کافر، خدا کا نافرمان ہوتا ہے۔ خدا کی نافرمانی سے خدا ناراض ہوتا ہے اور اس نافرمانی کی سزا اسے اسلامی حکومت میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔

لیکن طلوعِ اسلام کے نظریات کے مطابق خدا بندوں کی ایسی عبادت کا محتاج نہیں نہ ہی وہ خوش یا ناراض ہوتا ہے، لہٰذا صلوٰۃ کی حقیقت انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"آئینِ خداوندی نے اس بات کا بھی انتظام کر دیا ہے کہ اس نظامِ (ربوبیت) کی بار بار یاد دہانی کرائی جائے تاکہ اس کے اصول مبانی اجاگر ہوتے رہیں۔ اس یاد دہانی کا نام فریضہ موقت ہے، یعنی خاص اوقات کا اجتماعِ صلوٰۃ" (قرآنی فیصلے ص ۲۰)

اب اس کی لغوی تطبیق بھی ملاحظہ فرمائیے:

"الصلوٰۃ" "صراطِ مستقیم" پر چلنے کا نام ہے۔ وہ صراطِ مستقیم جس کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا:

"ان ربی علی صراط مستقیم" "میرے نشوونما دینے والے کا قانونِ ربوبیت خود متوازی راہ پر چل رہا ہے"

اس کے پیچھے پیچھے تم بھی چلتے جاؤ۔ مصلّی اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھوڑ دوڑ میں پہلے نمبر پر آنے والے گھوڑے کے بالکل پیچھے پیچھے ہو جو ادھر ادھر کی راہوں میں نکل جائے وہ مصلّی نہیں۔" (سلیم کے نام تیرھواں خط ص ۲۰۹)

صلوٰۃ واقعی نظامِ ربوبیت یا قانونِ ربوبیت کی یاد دہانی کا نام ہے، اس کی تائید بھی قرآن سے ملاحظہ فرمایئے:

"نظامِ صلوٰۃ کیا ہے؟ اس کے متعلق میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں، لیکن قرآن نے اس تمام تفصیل کو سمٹا کر ایک فقرے میں رکھ دیا ہے، یعنی ولم نک نطعم المسکین" "ہم مساکین کے رزق کا اہتمام نہیں کرتے تھے"۔

(سلیم کے نام سولھواں خط ص ۲۷۴)

یہ ہے آپ کا اندازِ تاویل وتعبیر، دیکھیے لفظِ صلوٰۃ کا مروّجہ مفہوم بدل کر اس سے نظامِ ربوبیت کے لیے کتنے "عظیم الشان" دلائل مہیا کر دیے گئے ہیں۔

پھر چونکہ آپ کا یہ اندازِ تفسیر بالکل نرالا تھا، لہٰذا آپ کو اسے عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے لغات القرآن، مطالب القرآن، معارف القرآن، مفہوم القرآن اور تبویب القرآن کی کئی کئی جلدیں مرتب کرنا پڑیں، اس سے بھی کام نہ چلا تو کثیر مقدار میں اُردو لٹریچر کا بھی اہتمام کیا گیا تاکہ عوام الناس قرآن کے معنی و مطالب اسی طرح سمجھ سکیں جس طرح آپ خود اسی قرآنی بصیرت کے مطابق اسے سمجھے ہیں۔

ایک لطیفہ یاد آگیا، پرویز صاحب نے "قرآنی فیصلے" ص ۲۴۰ پر ایک ہندو کا خط نقل فرمایا ہے۔ جو لکھتا ہے کہ آپ نے جو میرے مطالعہ کے لیے قرآن مترجم بھیجا ہے' یہ بلیشتر مقامات پر اپنے معانی میں صاف ہے اور اس سے رُوح کو تسکین ہوتی ہے لیکن اس کی شرح و تفسیر میں پُورا "صندوق کتب" موجود ہے۔ میں اس کے مطالعہ کا بار نہیں اٹھا سکتا۔" پرویز صاحب نے واقعی اس "صندوق کتب" کے بارہ ہری چند مہاشا کو نجات دے دی۔ لیکن قرآن کی تفہیم وتشریح کے لیے اتنا [illegible] گویا آپ کو اصل شکایت یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلمان احادیث و تفاسیر کا بوجھ کیوں اٹھاتے ہیں۔ میری تصنیف شدہ کتب کا بوجھ کیوں نہیں اٹھاتے؟ رہا عوام کا مسئلہ تو انہیں تو بہرحال کوئی نہ کوئی بوجھ اُٹھانا ہی پڑے گا۔

آپ کی اس تاویل و تفسیر پر کسی دل جلے نے یوں تبصرہ کیا:

"آپ کے مشورہ پر معارف القرآن کا مطالعہ کر رہا ہوں مگر اس کی تو پہلی ہی جلد نے میرا جی جلا دیا۔ غضب خدا کا تفسیر بالرائے کی ایسی بھونڈی مثالیں نہ کبھی دیکھیں نہ سنیں، چلتے چلتے ایک لفظ کی طرف اشارہ کرتا ہوں، سن لیجیے کہ آپ کے پرویز صاحب کیسے کیسے حیلوں سے تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ ایک لفظ ہے "آلاء" جو سورۃ رحمٰن میں تکرار کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ سلف سے لے کر خلف تک سب مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے معنی نعمت ہیں، مگر وہ (پرویز صاحب) اس کے معنی "قدرت" کر دیتے ہیں۔ اب کہیے کہ ایسی تفسیر کو اگر جائز رکھا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل بن جاتا ہے یا نہیں کہ جو آئے اسے مروڑ دے؟"

("جناب پرویز کے معتقد خاص سید نصیر شاہ کے نام ایک کرم فرما کا خط"، بحوالہ ماہنامہ طلوعِ اسلام جون ۱۹۵۸ء)

آپ چونکہ مغربی افکار و نظریات سے شدید متاثر ہیں اور اپنی قرآنی تاویل و تعبیر کی تائید میں بسا اوقات مغربی مفکرین کے اقتباسات ہی پیش فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس طرزِ عمل کے دو نتائج بدیہی طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی یہ تاویل و تعبیر کم از کم مسلمانوں میں نہیں پنپ سکتی۔ اس بات کا شکوہ آپ خود بھی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم چونکہ قرآن کو ترجموں کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس کی اصل سے واقف رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا قرآن سمجھنے کے لیے عربی جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور جب تک ہم عربی نہ جانیں قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں لیکن اس سے اس مشکل کا حل نہیں ہوتا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جن حضرات نے عربی ترجمے کیے ہیں وہ تو عربی جانتے تھے۔ اگر عربی جاننے سے صحیح قرآن سمجھ میں آجاتا تو ان کے ترجموں سے بھی قرآن سمجھ میں آجانا چاہیے تھا۔ تمام تر نہیں تو قریب قریب۔ دوسری چیز یہ (اور یہ پہلی سے بھی زیادہ اہم ہے) کہ آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانانِ عالم کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس کی مادری زبان عربی ہے۔ ان کے لیے صحیح قرآن سمجھنے میں تو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی قریب قریب اسی قسم کا قرآن سمجھتے ہیں جس قسم کا قرآن ہمارے ہاں ترجموں سے سمجھا جاتا ہے۔ آپ عربی ممالک (یعنی عربی بولنے والے مصنفین) کی مذہبی کتابیں اٹھا کر دیکھیے، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، ان میں اور اپنے ہاں کی مذہبی کتابوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ مجھے ایک عرب ادیب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، ادب کا امام، زبان پر اس قدر عبور کہ ایک ایک لفظ کی بیسیوں سندات مستحضر۔ ایسا نظر آتا تھا کہ اسے بڑے بڑے عربی لغت، شعراء کے دواوین اور کتب محاضرات حفظ یاد ہیں۔ مرادفات کے معنی میں ایسا لطیف فرق بتاتا تھا کہ سُن کر لطف آجاتا تھا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہتی، جب میں دیکھتا کہ جونہی قرآن کی کوئی آیت سامنے آتی وُہ وہی مفہوم بیان کرتا جو ہمارے مکتبوں میں پڑھایا جاتا ہے اور جس میں قرآن نام کو نہیں ہوتا۔" (قرآنی فیصلے ص ۲۶۰، ۲۶۱)

اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی یہ تاویل و تعبیر اہلِ مغرب نے پسند فرمانا شروع کر دی چنانچہ درج ذیل اقتباسات میں آپ اس حقیقت کا اعتراف فرما رہے ہیں۔

۱۔ "میرا اندازہ ہے کہ قرآن کو (یعنی آپ کی قرآنی بصیرت کو) سمجھیں گے تو مغرب کے مفکرین سمجھیں گے۔" (سلیم کے نام سولھواں خط ص ۲۷۷)

۲۔ "مجھے مغربی اقوام کی سرزمین قرآنی پیغام کے لیے زیادہ سازگار معلوم ہوتی ہے، کیونکہ وہاں "عقل" ہے۔ ملا ازم کی جہالت اور تنگ نظری نہیں ہے ..... میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی نسبت مغربی اقوام کے غیر مسلم قرآن کی آواز کو زیادہ توجہ سے سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جو کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا آرہا ہے اسے کس طرح چھوڑ دیا جائے؟" (سلیم کے نام سترھواں خط ص ۳۰۷)

گویا آپ کے خیال میں سارا قصور تنگ نظر ملا کا ہے۔ جو عقل سے عاری ہے اور آپ کی تاویل و تعبیر کی ہمنوائی سے قاصر ہے۔ رہا آپ کا تفسیری کارنامہ تو اسے آپ قرآن کی طرح ہی شک و شبہ سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک تیسرے مقام پر فرماتے ہیں:

۳۔ " اس سے بھی بڑھ کر خوشی کا یہ مقام ہے کہ یہ آواز اب پاکستان کی حدود سے آگے نکل کر مغربی ممالک میں بھی پھیلتی جا رہی ہے۔ پچھلے سال میں نے آپ احباب سے ذکر کیا تھا کہ کس طرح ایک جرمن مصنف نے اپنی پاکستانی سیاحت کی روئداد کے سلسلہ میں یہ لکھا تھا کہ جہاں ایک ہی تحریک قابلِ ذکر ہے اور وہ طلوعِ اسلام کی تحریک ہے۔ اب حال ہی میں ایک کتاب ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے، کتاب کا نام (Modern Muslim Kuran Interpretation) ہے اور مصنف کا نام (J.M.S.Balton) ۔ اس میں فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں قرآن کی جدید تعبیرات کی کوششیں کہاں کہاں ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں ان نے پاکستان سے صرف دو مصنفوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک علامہ مشرقی اور دوسرے آپ کا یہ رفیق (یعنی پرویز صاحب) اس نے سلسلہ معارف القرآن اور سلیم کے نام خطوط وغیرہ کا براہِ راست اردو سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں ان کے اقتباس پر اقتباس دیئے چلا جاتا ہے "

(پرویز صاحب کا خطاب طلوع اسلام کنونشن بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام مئی جون ۱۹۶۳ء)

اور یہی بات ہم کہتے ہیں کہ پرویز صاحب قرآنِ کریم سے خود کچھ سمجھنے کی بجائے عجمی افکار و نظریات کو قرآن کے منہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ گو صوفیہ کی طرح ان کا بھی زبانی دعوےٰ یہی ہے کہ وہ وحی کے تابع ہو کر چلتے ہیں اور خالی الذہن ہو کر قرآن کریم میں غور و خوض فرماتے ہیں۔

مرکزِ ملت

مسلمان بننے یا رہنے کے لیے خدائے واحد اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے رسولؐ پر کس قسم کے ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔

مقامِ رسالت:

۱۔ رسول مامور من اللہ ہوتا ہے، اس میں اس کی اپنی مرضی کو بھی کچھ دخل نہیں ہوتا۔ ارشادِ باری ہے:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (۶/۱۲۴) اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ پیغمبری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیسے عنایت فرماتے ؟

۲۔ رسول سب سے پہلے خود اللہ کے پیغام یا احکام الٰہی کی اطاعت کرتا ہے، ارشادِ باری ہے :

اتبع ما اوحی الیک من ربک (۶/۱۰۶) جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف آتا ہے اس کی پیروی کرو۔

پھر اس کے بعد وہ دوسرے لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے، ارشادِ باری ہے :

"یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔" (۵/۶۷)

"اے رسول! جو ارشادات تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں تک پہنچا دو"

پھر جو شخص ان ارشادات کو مان لیتا ہے، تو یہ محض رسول کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ فی الحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے، ارشادِ باری ہے :

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (۴/۸۰)

"جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے تو بلا شبہ اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔"

۳۔ رسول بھی دوسرے متبعین کی طرح اللہ کا بندہ ہی ہوتا ہے (عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ) وہ اپنی طرف سے نہ کسی بات کا حکم دے سکتا ہے نہ اس کی دوسروں سے اطاعت کروا سکتا ہے۔ اللہ کے لیے عبادت اور اطاعت دونوں چیزیں لازم ہیں جبکہ رسول کی صرف اطاعت لازم ہے۔ یہی اللہ اور رسول کے مقام کا فرق ہے۔ عبد ہونے کے لحاظ سے نبی اور عام مسلمان سب برابر ہوتے ہیں، فرق اگر ہو سکتا ہے تو صرف درجہ کا، نوع کا فرق نہیں ہوتا۔

۴۔ ہر رسول نبی تو ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ ارشادِ باری ہے،

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ۔" (۲۲/۵۲)

"اور ہم نے کوئی رسول اور نہ ہی کوئی نبی ایسا بھیجا ہے کہ جب اُس نے کوئی آرزو کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیا۔"

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ رسول اور نبی دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں، اور ان میں بنیادی فرق منصب کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ رسول کے مبعوث ہونے سے پیشتر اس کی آمد کی خبر سابقہ نبیوں کے ذریعہ دی جاتی ہے جس کی وُہ منادی کرتے ہیں۔ لیکن نبی کے لیے یہ بات ضروری نہیں ہوتی۔

۲۔ رسول اپنے ساتھ ایک نئی شریعت لاتا اور ایک نئی امت کی تشکیل کرتا ہے جبکہ نبی اپنے سے پہلے رسول کی مسخ شدہ تعلیم کی اصلاح کرتا اور پہلی ہی امت کے کردار کی اصلاح کے لیے آتا ہے۔

۳۔ لوگوں کی دستبرد سے رسول کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ انبیاء بغیر حق کے قتل بھی کیے جاتے رہے ہیں۔

۴۔ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے (۳۳/۴۰) جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وُہ خاتم الرسل بھی تھے۔

۵۔ ہر رسول کو کتاب کے ساتھ حکمت بھی دی جاتی ہے۔ حکمت سے مراد احکام الٰہی پر حسب منشائے الٰہی عمل پیرا ہونے کا طریق ہے۔ نیز ان احکام کو معاشرہ میں عملاً نافذ کرنے کے طریقے بھی حکمت میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ حکمت رسول اللہ صلعم کو بذریعہ وحی خفی دی گئی۔ حکمت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ یہ نبی اور نبی کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جا سکتی ہے۔

۶۔ ہر نبی اور رسول میرا عن الخطا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے عملی میدان میں کوئی لغزش ہو بھی جائے تو وحی الٰہی اس کی فوراً اصلاح کر دیتی ہے اور اس کی خطا معاف کر دی جاتی ہے کیونکہ :

(ا) رسول کو یا نبی کو احکام الٰہی کا نمونہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس میں کوئی جھول رہ جائے تو اس کی زد تمام امت پر پڑتی ہے۔

(ب) یہ عملی نمونہ جب تک پیش نہ کیا جائے احکام الٰہی کے سارے گوشے بے نقاب نہیں ہو سکتے۔

(ج) جب تک کسی کو یہ یقین نہ ہو کہ جو عملی نمونہ اس کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ وُہ فی الواقعہ احکام الٰہی کی صحیح تعبیر ہے۔ اس وقت تک اسے روحانی اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ جو ایمان کی رُوحِ رواں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

" لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " (۳۳/۲۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تمہارے لیے رسول اللہ کی چال سیکھنے میں ہی بھلائی ہے۔"

(د) اگر یہ علمی نمونہ سامنے موجود نہ ہو یا بُعدِ زمان و مکان سے آنکھوں سے اوجھل ہو جائے یا کر دیا جائے تو احکام الٰہی کی صحیح تعبیر ناممکن ہے۔

۷۔ ایک رسول کی ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلائی ہیں:

"ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ۔ (۶۲/۲)

اور وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو اُن کے سامنے اُن کی آیتیں پڑھتے، ان کو پاک کرتے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔"

یعنی (۱) وہ لوگوں کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے۔

(۲) انہیں حکمت بھی سکھلائے۔

(۳) اپنے متبعین کی اصلاح و تربیت اور تزکیہ نفس کرے۔

(۴) اور سب سے بھاری ذمہ داری رسالت کی تبلیغ ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔" (۵/۶۷)

"اے رسولؐ جو ارشادات تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے، اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے رکھے گا۔"

اس آیت سے واضح ہے کہ رسالت اور چیز ہے اور تبلیغ دوسری چیز۔ تبلیغ اعم ہے اور رسالت اخص۔ رسول اللہ ان دونوں باتوں پر مامور تھے لیکن دوسرے لوگ صرف تبلیغ ہی کر سکتے ہیں۔ رسالت ختم ہو چکی لیکن تبلیغ تا قیامت جاری رہے گی۔

۸۔ شارح: ہر نبی اور رسول شارح کتاب بھی ہوتا ہے کیونکہ تعلیم صرف الفاظ کو دُہرا دینے کا نام نہیں۔ وحی الٰہی کے الفاظ کو سمجھانے اور سکھلانے کا نام ہے۔ علاوہ ازیں درج ذیل آیت اس حیثیت کو مزید وضاحت سے پیش کرتی ہے۔

"وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (۱۶/۴۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کی تاکہ جو کچھ لوگوں کی طرف نازل ہوا ہے اس کی وضاحت کر دو۔"

اس آیت کی رُو سے آپؐ کو کتاب اللہ کی تشریح، تاویل، تعبیر اور تفسیر کا حق دیا گیا ہے۔ پھر چونکہ یہ تاویل و تفسیر منشائے الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اور بصورتِ دیگر اس پر فوراً تنبیہ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہی تاویل و تفسیر قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے اور باقی سب کچھ غلط اور ناقابلِ اعتماد۔

۹۔ شارع: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف شارح ہی نہیں بلکہ شارع یا قانون دہندہ بھی ہیں۔ گو فی نفسہٖ قانون سازی کا حق صرف اللہ کو ہے، تاہم اس سے متعلق مزید تشریحی قوانین بتلانا بھی آپؐ کا حق ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث۔"

(۷/۱۵۷)

"وہ لوگ جو نبی امی (محمدؐ) کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف کو) وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کرنے کا حکم دیتا اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ نیز وہ پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔"

ممکن ہے بعض دوست یہ سمجھیں کہ نبی صرف انہی چیزوں کو حلال و حرام ٹھہراتا ہے جو قرآن میں مذکور ہو ئیں تو یہ خیال غلط ہے کیونکہ وہ چیزیں تو مذکور ہو چکیں۔ جب بھی حضور اکرمؐ اور صحابہؓ ایسی آیات کی تلاوت فرماتے تھے جن میں حلال و حرام اشیاء کا ذکر ہے تو وہ تو واضح ہو ہی جاتی تھیں۔ حضور اکرمؐ کے اس حلال و حرام ٹھہرانے کے اختیار کو خصوصیت سے بیان کرنے سے صاف واضح ہے کہ آپؐ کو قرآن میں مذکور حلال و حرام اشیاء کے علاوہ بھی یہ اختیار دیا گیا تھا، اگرچہ یہ اختیار بھی منشائے الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

۱۰۔ وہ قاضی اور منصف بھی ہوتا ہے، اس کے فیصلے کو بلا چون و چرا اور برضاء و رغبت تسلیم کرنا ضروری ہے، اس کے فیصلے سے نہ اختلاف کیا جا سکتا ہے نہ اس کی اپیل ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا اس کی غیر مشروط اطاعت لازم ہوتی ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما " (۴/۶۵)

"تمہارے پروردگار کی قسم! جب تک یہ لوگ تمہیں اپنے تنازعات میں منصف نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلہ کو دل کی تنگی کے بغیر (برضا و رغبت) تسلیم نہ کریں مومن نہیں ہو سکتے"۔

۱۱۔ اس کی اطاعت میں ادب واحترام اور عقیدت و محبت کا عنصر ہونا بھی لازمی ہے:

"یاایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا له بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون " (۴۹/۲)

"اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، اس طرح ان کے رُوبرُو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو"۔

(جاری ہے)

(بقیہ ۳۲ سے آگے) ....

۴

صبحِ صادق

مولانا عاجز صاحب کے منظوم کلام کے دوسرے مجموعے کا نام ہے، اس میں عاجز صاحب کی تقریباً اسّی (۸۰) کے قریب نظمیں ہیں اور یہ نظمیں بھی جامِ طہور کی نظموں کی طرح دینی جذبات، فکرِ آخرت اور اخلاقی پند و نصائح سے مالا مال ہیں۔ کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد پہلی کتب کی طرح انتہائی خوبصورت اور دلنواز ہیں۔ قیمت سفید کاغذ جلد کارڈ بورڈ مع پلاسٹک کور/۱۴ قیمت آفسٹ کاغذ مجلد مع پلاسٹک کور/۲۱ قیمت نہایت خوبصورت جہیز ایڈیشن/۲۷

ان تینوں کتابوں کے ملنے کا پتہ — رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار فیصل آباد ہے جبکہ لاہور میں یہ کتب نعمانی کتب خانہ اور مکتبہ ..... وغیرہ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

(ادیر)

© rasailojaraid.com